قسط چہارم:-

واقعاتِ سیرتِ نبوی میں توقیتی تضاد اور اُس کا حل

از

جناب مولوی اسحٰق النبی صاحب علوی رام پور

"مقالہ سوم"

گذشتہ مہینے یہ دلچسپ اتفاق ہوا کہ جن مضامین کی مجھے سخت ضرورت تھی وہ یہیں مل گئے، یعنی پرسیوال (PERCEVAL) اور محمود پاشا فلکی کے "نظریات" جن کے دلائل دیکھ کر یہ اطمینان ہو گیا کہ میرا طرزِ فکر غلط نہیں۔

پرسیوال اور محمود پاشا دونوں کے اصل مقالات فرانسیسی زبان میں شائع ہوئے تھے، جن میں اول الذکر کا انگریزی ترجمہ اسلامک کلچر (ESLAMIC CULTURE VOL XXI-1947) میں شائع ہو چکا ہے۔ محمود پاشا فلکی کی کتاب کا ترجمہ سب سے پہلے احمد زکی آفندی نے "نتائج الافہام" کے نام سے عربی میں کیا تھا، اس کتاب کو مولوی سید محی الدین خاں صاحب جج ہائیکورٹ (حیدر آباد) نے اُردو کا جامہ پہنایا اور ۱۸۹۶ء میں نول کشور پریس نے شائع کیا۔

ان دونوں علماء کے نظریات میں بنیادی فرق یہ ہے کہ پرسیوال کے نزدیک تو مکی سنہ "قمری شمسی تھا (اگرچہ حسابات غلط تھے) اور محمود فلکی کی رائے میں "خالص قمری" تھا۔ مگر حیرت ہوتی ہے کہ دونوں نے واقعاتِ سیرت کی تاریخوں کو بہت کم قابلِ اعتنا سمجھا، اور اپنے دلائل میں صرف دو دو تین تین واقعات پیش کر کے نظریات مکمل کر لئے۔ حالانکہ محمود فلکی تھوڑی سی جستجو کے بعد درجنوں مثالیں

پیش کرسکتے تھے۔

بہرصورت میں ان دونوں مقالات کو یا تو اپنی کتاب میں بطور ضمیمہ شائع کردوں گا یا ان کے نظریات اور دلائل کی تھوڑی بہت وضاحت کردی جائے گی۔

لیتھو میں کتابت و طباعت کی غلطیاں ناگزیر ہیں چنانچہ ان مقالات میں بھی ہو رہی ہیں، جن کی تصحیح کا یہ موقع نہیں تاہم برہان جولائی صفحہ ۲۱ کی جدول شنبہ میں رمضان کا خانہ خالی رہ گیا ہے اس میں ۲۳ ر مئی شنبہ لکھ لینا چاہئے اور شوال میں ۲۲ ر جون دوشنبہ بنا لیجئے۔

(علوی)

مقالۂ اول میں واقعاتِ سیرت کے توقیتی تضادات کا ابتدائی جائزہ لینے کے بعد میں نے اس خیال کا اظہار کیا تھا، کہ سیرت کے واقعاتی ریکارڈوں پر دو قسم کی تقویموں کی کارفرمائی معلوم ہوتی ہے جن میں ایک "خالص قمری" تھی اور دوسری "قمری شمسی" (SUNI SOLAR) جس کو میں نے "مکی تقویم" کا نام دیا تھا۔

مقالۂ دوم میں اس "قمری شمسی" تقویم کی بازیافت کی کوشش کی گئی تھی، جو میری رائے میں ٹھیک ٹھیک دریافت کرلی گئی ہے اور یقین ہے کہ خود قارئین نے بھی اس کی ابتدائی آزمائش کرکے یہی نتیجہ نکالا ہوگا۔

مدینے کی "خالص قمری" پہلے ہی سے باعثِ نزاع نہ تھی، اس لئے زیرِ نظر مقالے میں بظاہر یہ آسان تھا کہ واقعاتِ سیرت کو علی الترتیب پیش کرکے ان دونوں تقویموں پر منطبق کردیا جائے، مگر واقعہ یہ ہے کہ جن روایات پر ڈیڑھ ہزار سال کی کہنگی کے آثار یعنی کتابتی اغلاط، فہمی غلطیاں، مصنفین کے سہو موجود ہوں۔ اُن کا فوری انطباق آسان نہیں۔

علاوہ ازیں خود اس نظریہ پر بعض اصولی سوالات بلکہ یوں کہئے کہ شبہات بھی پیدا ہوتے ہیں جن پر انطباقات سے پہلے غور کرلینا ضروری ہے مثلاً:

پہلا سوال | مقالۂ اول میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ پرسیوال (PERCIVAL) اور میور کے نزدیک بھی مکی سنہ "قمری شمسی" تھا[1]، جو میرے دعوے کے عین مطابق ہے، نیز ونکلر (WINCKLER) اور نیلسن (NEILSEN) کا یہ تصور بھی پیش کیا جا چکا ہے کہ ظہور اسلام کے وقت مکے اور مدینے کی تقویمیں بالکل

---

۱ دیکھئے برہان مئی سنہ ۱۹۶۲ء / ۲۸۸

جدا جدا تھیں، مگر دونوں تقویموں کے مہینے مشترک الاسم تھے۔[1] یہ خیال بھی بعینہٖ وہی ہے جو خود پیش کر رہا ہوں، بلکہ میں نے صاف لفظوں میں اعتراف کیا ہے کہ ونکلر کے اسی تصور نے میرے ذہن میں دو تقویمی تصورات کو جنم دیا ہے، اور میرا خیال ہے کہ شاید ڈاکٹر حمید اللہ کے سامنے بھی ونکلر کا یہی تصور تھا، کیونکہ انھوں نے بھی مکی اور مدنی تقویموں کی جداگانہ حیثیت تسلیم کی ہے۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب اصولی طور پر ان علماء کے تصورات تقریباً وہی تھے جو میں پیش کر رہا ہوں تو پھر میرے اور ان علماء کے نظریات میں بنیادی فرق کیا ہے؟ اور کیا وجہ ہے کہ اُن کے حسابات سے سیرت کے توقیتی مسائل حل نہیں ہوتے؟

اس سلسلہ میں جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں، میور اور پرسیوال سے تو بظاہر یہ غلطی ہوئی کہ انھوں نے عرب جاہلیت کی تقویمی صلاحیتوں کو پورے طور پر نہیں سمجھا اور یہ رائے قائم کرلی کہ جاہلی عربوں میں حسابی کم فہمی کے باعث، عہد رسالت میں ایام حج مارچ "MARCH" میں آنے لگے تھے، اور سال اپنی قدیم جگہ سے ہٹ گیا تھا لیکن ظاہر ہے کہ یہ تصور بنیادی طور پر صحیح نہ تھا، اسی لئے ان کا نظریہ واقعاتِ سیرت کی توقیتی توجیہ کرنے میں ناکام رہا۔

ونکلر (WINCKLER) کے دو تقویمی نظریئے کی تفصیلات میرے سامنے نہیں البتہ ڈاکٹر حمید اللہ کا قیمتی مقالہ "عہد نبوی کے عربی ایرانی تعلقات" اس وقت میرے سامنے ہے۔ جس میں فاضل مقالہ نگار نے دو تقویمی تصور کو ایک مخصوص زاویۂ نگاہ سے پیش کیا ہے، اور جیسا کہ قارئین ملاحظہ فرما چکے ہیں ایک جدولِ تقویم بھی شامل کی ہے جسے میں نے مقالۂ اول میں بجنسہٖ نقل کردیا ہے۔[2]

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ عہدِ رسالت میں مکی اور مدنی تقویمیں پہلو بہ پہلو چل رہی تھیں، میرے اور ڈاکٹر حمید اللہ کے تصورات میں کوئی اختلاف نہیں ہے، البتہ ایک بنیادی اور نہایت ہی اہم فرق یہ ہے کہ اُن کی رائے میں یہ دونوں تقویمیں سنہ ۸ھ میں جاکر ایک ہوگئی تھیں اور ذوالحجہ سنہ ۸ھ دونوں تقویموں کے اعتبار سے مشترک ایام میں آیا تھا جس کے کھلے معنی یہ ہوتے ہیں کہ محرم سنہ ۹ھ بھی مشترک ایام میں آیا ہوگا۔

---

[1] دیکھئے برہان مئی ۱۹۶۴ء / ۲۹۳ [2] دیکھئے برہان مئی ۱۹۶۴ء / ۲۹۴، ۲۹۵

اگر یہ خیال صحیح ہے کہ مکی تقویم ہمیشہ اعتدالِ خریفی سے شروع ہوتی تھی، اور اگر یہ روایتیں غلط نہیں کہ عہدِ رسالت میں صومِ عاشوراء ہمیشہ محرم میں رکھا جاتا تھا، جو یہودیوں کے یوم عاشوراء سے صرف ایک دن آگے پیچھے ہوتا[1] تو یہ امر بالکل ناممکن ہے کہ ۱۱ھ میں مکے اور مدینے کی تقویموں کے ایام و شہور مشترک ہو گئے تھے۔

اس سلسلہ میں "البیرونی" کی جرح و تنقید پہلے پیش کی جا چکی ہے اور آپ دیکھ چکے ہیں کہ اس عظیم ریاضی داں نے احادیثِ عاشوراء کو غلط ثابت کرنے میں یہی دلیل پیش کی ہے کہ عہد رسالت میں "ماہِ تشری" اور "ماہِ محرم" ایک ساتھ نہیں آسکتے۔

ڈاکٹر حمید اللہ کا اس ذیل میں صرف یہ استدلال ہے:

"کہ جنابِ رسالت مآب صلعم نے ذی الحجہ ۱۰ھ میں سالِ کبیسہ کو عربی مہینوں کے لئے ہمیشہ کے واسطے منسوخ فرما دیا، اور خطبۂ حجۃ الوداع میں اس کی قرآنی ممانعت "انما النسیٔ زیادۃٌ فی الکفر الآیۃ" کو دہرانے کے بعد ارشاد فرمایا" ان الزمان قد استدار کھیئتہ یوم خلق اللہ السمٰوات والارض" اور متفقہ طور پر اس کی تشریح یہ کی جاتی ہے کہ اس وقت ۱۰ھ میں حجۃ الوداع کے موقع پر قمری اور کبیسہ دونوں لحاظ سے ذی الحجہ باہم جمع تھے"[2]

لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اس قدر اہم نظریئے کے لئے محض یہ کہہ دینا کافی نہیں، کہ "متفقہ طور پر اس کی یہ تشریح کی جاتی ہے" بالخصوص اس حالت میں کہ اس مرادی معنی کی پشت پر (بجز چند علماء کے اقوال اور قیاسات کے) تاریخی، واقعاتی، یا حسابی شہادتوں میں سے ایک چھوٹی سے چھوٹی شہادت بھی نہیں، اور بالفرض اگر یہ مان لیا جائے کہ ۱۰ھ میں مکی اور مدنی تقویمیں ایک ہو گئی تھیں، تو پھر ایسی تاریخی روایات اور واقعات کے متعلق کیا فیصلہ کیا جائے گا۔ جو مروجہ تقویم کی مدد سے حل نہیں ہوتے، مثلاً اسی ۱۰ھ کے سورج گرہن کے واقعے کو لیجئے جو روایتی طور پر ربیع الاول یا ربیع الآخر ۱۰ھ میں ہوا تھا، لیکن از روئے حسابِ ہیئت

---

[1] دیکھئے برہان جولائی ۱۹۶۲ء / ۱۱ [2] معارف ۴۴ء

اس کی تاریخ ۲۷ جنوری ۶۳۲ء متعین ہوتی ہے جو ہجری کلینڈر کے بموجب ۲۸ شوال ۱۰ھ سے مطابق ہونا چاہئے اور علیٰ ہذا القیاس دوسرے واقعات کی بھی یہی کیفیت ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ غلطی صرف ڈاکٹر حمید اللہ ہی کے قلم سے نہیں ہوئی بلکہ اتنی عام ہے کہ غالباً ہر محقق کو اسی جگہ ٹھوکر لگی، میور اور پرسیوال[1] نے بھی اسی تصور کے تحت ۱۰ھ میں کی اور مدنی تقویم کو ہم زمانہ قرار دے کر واقعاتِ سیرت کی توقیتی صراحتوں کو کہیں سے کہیں رکھ دیا ہے۔

جہاں تک "ان النسیٔ قد استدار" کے صحیح مفہوم کا تعلق ہے تو میں نے اس کی تشریح مقالۂ چہارم میں حجۃ الوداع کے ذیل میں کی ہے، یہاں یہ سمجھ لیجئے کہ ۹ھ میں کی تقویم کو منسوخ کیا گیا تھا اور مدینے کی خالص قمری تقویم اختیار کر لی گئی تھی، جس کے باعث موسم حج پہلی بار مارچ ۶۳۱ء میں آیا تھا،

دوسرا سوال دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا میرے اس نظریئے سے صرف قسم اوّل، دوم اور سوم کی توقیتی الجھنیں ہی دور ہوتی ہیں؟ یا یہ نظریہ چوتھی اور پانچویں قسم پر بھی حاوی ہے؟[2] اور ایسے واقعات کے تضادات کو بھی دور کر دیتا ہے جن کی توقیت میں قدیم علمائے سیرت کو اس درجہ اختلاف تھا کہ دو مکاتبِ تاریخ وجود میں آگئے تھے[3] کیوں کہ اگر یہ نظریہ ان تضادات کو دور نہیں کرتا تو قوی شبہ کیا جا سکتا ہے کہ یہ تصور محض ایک تاریخی وہم اور حسابی مغالطے سے زیادہ نہیں،

واقعہ یہ ہے کہ دو تقویموں کی موجودگی کے لئے صرف اتنا ثبوت کافی نہیں کہ ہم کچھ واقعات کی تاریخیں ایک جدول سے اور کچھ دوسری جدول سے درست کر دکھائیں، کیونکہ جب ایک سے زیادہ جدولوں کی مدد سے توقیتی گتھیاں سلجھانے کی کوشش کی جائے گی اگرچہ یہ واقعات غلط ہی ریکارڈ کئے گئے ہوں، خود بخود بڑی حد تک درست نظر آنے لگیں گے، اور قدرتاً کچھ واقعات ایک جدول پر اور کچھ دوسری پر پورے اترتے محسوس ہوں گے بلکہ کہا جا سکتا ہے کہ اگر کسی تیسری تقویم کا اور ادعا کر دیا جائے تو ہر توقیتی صراحت خواہ وہ کتنی ہی غلط ہو سو فیصدی صحیح ثابت ہو جائے گی۔

---

[1] پرسیوال کے نظریہ کے لئے دیکھئے ESLAMIC CULTURE XXI - 1947

[2] ان قسموں کے لئے دیکھئے "برہان" مئی ۶۴ء / ۲۶۷ [3] دیکھئے برہان مئی ۶۴ء / ۲۸۳۔

دو تقویموں کی بیک وقت موجودگی، اصولاً صرف اُسی وقت ثابت ہو سکتی ہے، جب ایک ہی واقعے کے متعلق دو ایسی جداگانہ توقیتی صراحتیں مل سکیں جو علیحدہ علیحدہ کلینڈروں کے مطابق ریکارڈ کی گئی ہوں اور وہ بظاہر کتنی ہی مختلف یا متضاد معلوم ہوں، لیکن جب حساب لگایا جائے تو اُن سے صرف ایک ہی زمانہ متعین ہو سکے، کیوں کہ یہ تصور قطعاً خارج از قیاس ہے کہ دو تقویموں کی موجودگی میں، واقعات کا ریکارڈ کرتے وقت ایک ہی راوی نے کبھی مکّی اور کبھی مدنی تقویم استعمال کی ہوگی بلکہ اس کے مقابلہ میں معمولی عقل (COMMEN SENCE) یہ چاہتی ہے کہ اگر واقعی عہد رسالت میں دو تقویمیں رائج تھیں، تو ایسے رُواۃ نے جو مکّی تقویم کے عادی تھے، مکّی اور جو مدنی کے عادی تھے مدنی تقویم استعمال کی ہوگی۔

دو دستاویزی تصور ظاہر ہے کہ اس صورت میں بہت سے واقعاتی ریکارڈ ایسے بھی ہونا ضروری ہیں، جو بیک وقت دونوں تقویموں کے بموجب ریکارڈ کئے گئے ہوں، گویا "دو تقویمی" نظریئے کو قبول کرنے سے پہلے اصولاً ہمیں "دو دستاویزی" تصور اختیار کرنا پڑے گا، جس کی تائید میں تاریخی شہادتیں درکار ہونگی حقیقت یہ ہے کہ دو تقویمی نظریئے کے لئے "دو دستاویزی" نظریہ بالکل ابتدائی اور بنیادی حیثیت رکھتا ہے، اور یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ اگر واقعاتِ سیرت میں دو دستاویزی" کارفرمائی" کا پتہ نہیں چلتا تو دو تقویموں کی موجودگی ثابت ہونا ممکن نہیں، بنابریں اصولاً ہمیں پہلے اس مسئلے پر غور کرنا ضروری ہے۔

یہ مسئلہ اگرچہ سیرت کے ابتدائی ماخذوں پر ایک سیر حاصل بحث چاہتا ہے، جس کا یہاں موقع نہیں تاہم میں کوشش کروں گا کہ تفصیلات کو ترک کر کے مقالے کو محض تقویمی دائرے تک محدود رکھا جائے۔

آپ جانتے ہیں کہ سیرت کے ابتدائی ماخذ چند در چند ہیں جن کی آخری کڑیاں ایسے صحابہ سے جا ملتی ہیں جنھوں نے اپنا آنکھوں دیکھا یا کانوں سُنا حال کسی نہ کسی نہج سے ابتدائی مصنفین، مثلاً عبداللہ بن عباسؓ ابان بن عثمانؓ، عُروہ بن زبیرؓ، اور دوسرے علماء مغازی تک پہنچایا، اور انھوں نے ان ذخائر کو قلمبند کر کے آنے والی نسلوں کے حوالے کیا، لیکن یہ قدیم ریکارڈ چونکہ آج موجود نہیں اس لئے متاخرین کے یہاں ان میں سے اکثر روایات کی آخری سند صرف دو ائمہ مغازی یعنی ابن اسحاق المتوفی (۱۵۰ھ)

اور واقدی المتوفی (۲۰۷ھ) کے ناموں پر جاکر ختم ہو جاتی ہے۔

ان دونوں کی منزلت کا اندازہ اس سے لگایئے کہ اوّل الذکر یعنی ابن اسحاق تو صحابہ کے عہد سے اتنے قریب ہیں کہ انھیں تابعی ہونے کا شرف حاصل ہے نیز انھوں نے متعدد بڑے بڑے علماء کا فیضِ صحبت پایا، کئی اعلیٰ پائے کے اساتذہ کے شاگرد رہے، ان کے عہد میں کئی عمدہ لائبریریاں معرضِ وجود میں آچکی تھیں[1] جن کا تعلق براہِ راست کتبِ سیرت واحادیث سے تھا، امام زہری کے شاگردِ خاص اور اس پائے کے تلامذہ میں سے تھے، جن سے خود استاد تک نے استفادہ کیا تھا[2] کہتے ہیں کہ امام زہری کے دروازے پر دربان مقرر تھا، کہ کوئی شخص بغیر اطلاع کے نہ آنے پائے، لیکن ابن اسحاق کو

---

(۱) مثلاً ایک "ذخیرۂ کتب" کا پتہ مشہور صحابی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس چلتا ہے جو ابن اسحٰق کے وقت تک ضائع نہ ہونا چاہیے حسن بن امیہ ضمری کہتے ہیں کہ میں نے ایک بار ابوہریرہ کے سامنے ایک روایت بیان کی تو انھوں نے اس سے انکار کیا، میں نے کہا کہ یہ روایت تو میں نے خود آپ سے سنی ہے، بولے اگر تم نے یہ مجھ سے سنی ہے تو میرے پاس مکتوبی صورت میں ہوگی، اس کے بعد انھوں نے میرا ہاتھ پکڑا اور گھر لے گئے، اور مجھے رسول اللہ ﷺ کی حدیثوں کی کثیر التعداد کتابیں دکھائیں (فارانا کتبا کثیرۃ من احادیث رسول اللہ ﷺ) (دیکھئے جامع ابن عبد البر) (۲) اسی طرح حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس بھی ایک عمدہ ذخیرۂ کتب نظر آتا ہے، مشہور سیرۃ نگار موسیٰ بن عقبہ کہتے ہیں جو ابن اسحٰق کے معاصر بھی تھے، کہ ایک بار "کریب" نے جو ابن عباس رض کے آزاد کردہ غلام تھے ابن عباس کی (مملوکہ) کتابیں اس تعداد میں میرے سامنے رکھ دیں کہ ایک بارِ شتر ہوتیں، کریب نے بتایا کہ عبداللہ کے صاحبزادہ علی، کو جب کسی کتاب کی ضرورت ہوتی تو وہ مجھے لکھ بھیجتے..... (دیکھئے ابن سعد) (۳) عروہ بن زبیر جو سیرۃ کی سب سے بڑی سند سمجھے جاتے ہیں ایک عمدہ کتب خانے کے مالک تھے (V. VOCCA) کا بیان ہے کہ انھوں نے ایک اہم کتاب خانہ جمع کیا تھا جس میں گوناگوں مضامین کی کتابیں تھیں، یہ کتب خانہ تاریخی اور قانونی دونوں قسم کی کتابوں پر مشتمل تھا (ENCYCLOPAEDIA OF ISLAM. VOL. IV. P. 1047) (۴) مشہور خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کے والد عبدالعزیز بن مروان (المتوفی ۸۶ھ) کو بھی کتابیں جمع کرنے کا شوق تھا انھوں نے ایک بار کثیر بن مرہ کو لکھا تھا کہ تمہارے پاس رسول اللہ ﷺ کے صحابیوں کی جو حدیثیں ہوں ان کی نقل مجھے بھیجدو، سوائے ابوہریرہ کی کتاب کے کیوں کہ وہ میرے پاس موجود ہے۔ "الاحادیث ابی ھریرۃ فانہ عندنا" (ابن سعد ۷/۱۵۷) (۵) خلفائے بنو امیہ کو سیاسیات کے ساتھ ساتھ علمی کاموں سے عام طور پر دلچسپی رہی، چنانچہ امیر معاویہ رض کے عہد میں عبداللہ بن عباس، عروہ بن زبیر، ابان بن عثمان ابوالاسود، اور وہب بن منبہ وغیرہ جیسے عظیم سیرۃ نگاروں کے ساتھ ساتھ، کعب احبار اور عبید بن شریہ جیسے اہلِ قلم بھی نظر آتے ہیں، خود امیر معاویہ کے پوتے، خالد بن یزید بھی اعلیٰ پایہ کے سائنسٹ اور مصنفین کی فہرست میں شامل ہیں جنھوں نے ایک کتب خانہ بھی قائم کیا تھا، عبدالملک بن مروان نے امام زہری کو درباری عالم کا مرتبہ دے کر علوم کو آگے بڑھانے کی کوشش کی اور کامیاب ہوئے، عمر بن عبدالعزیز نے سرکاری طور پر حدیثیں جمع کرائیں، اور دفتر کے دفتر لکھوا ڈالے۔ کہتے ہیں کہ امویین کے زوال کے بعد ان کے سرکاری کتب خانے سے جب کتابیں منتقل ہوئیں تو صرف امام زہری کی کتابیں گھوڑوں اور اونٹوں کے ذریعے روانہ کی گئیں۔ ALFRED GUILLAUME P. ۲۵

عام اجازت تھی کہ جب چاہیں چلے آئیں[1] سیرت میں ان کا مرتبہ یہ ہے کہ امام بخاریؒ جیسے محتاط محدث نے اُن سے استناد کیا ہے حتیٰ کہ اپنی کتاب المغازی کی ابتداء گویا کہ ان کے نام سے کی ہے۔

ثانی الذکر یعنی واقدی کو اگرچہ ایک خاص مکتب خیال یعنی "معذرت پسند" علماء نے آج کل بہت بدنام کرنے کی کوششیں کی ہیں لیکن اُن کے متعلق ابن کثیر جیسے محدّث کی رائے یہ ہے:-

"اور واقدی کے پاس عمدہ تفصیلات اور اکثر واقعات کی تحریر شدہ تاریخیں تھیں، اور وہ اس فن (یعنی سیرت کے) ائمہ کبار میں تھے، اپنی ذات سے صدوق اور کثیر روایتیں بیان کرنے والے تھے جیسا کہ میں نے اپنی کتاب "تکمیل فی معرفۃ الثقات والضعفاء والمجاھیل" میں ان کی عدالت کے متعلق بیان کیا ہے"[2]

واقدی پر سب سے سنجیدہ اعتراض یہ کیا جاتا ہے، کہ "یہ شیعہ[3] تھے، لیکن میری رائے میں یہ اعتراض بالکل ایسا ہی ہے جیسا ابن اسحٰق کے متعلق یہ خیال کہ وہ یہود و نصاریٰ[4] سے روایت کرنا جائز سمجھتے تھے، حالانکہ تاریخ کی نظر میں یہ دونوں باتیں عیب نہیں۔

واقدی کے زمانہ میں مامون الرشید کا کتب خانہ کافی اہمیت رکھتا تھا، لیکن حیرت ہے کہ خود اس عظیم مورخ کے ذاتی کتب خانے میں کتابوں کے چھ سو[6] بھرے ہوئے کتاب دان[5] بیان کئے جاتے ہیں۔ تحقیقی ذوق کا یہ عالم تھا کہ انھوں نے جب اپنی کتاب لکھی تو متعدد واقعات اور معاہدے خاص عہدِ رسالت کی دستاویزوں کو سامنے رکھ کر لکھے۔

اِن دونوں اساطین سیرت کی تالیفات پر غور کیا جاتا ہے، تو اندازہ ہوتا ہے کہ اُن کے پیشِ نظر جو ابتدائی دستاویزیں تھیں، اُن میں بہت سی بقید ایام و شہور مدوّن کی گئی ہوں گی، اس لئے کہ دونوں کے یہاں تقریباً تمام واقعات کو مُوقّت کرنے کی پوری کوشش کی گئی ہے بلکہ کچھ واقعات تو ایسے ملتے ہیں جن

---

[1] مولانا شبلی سیرۃ ۱/۲۳ [2] ابن کثیر البدایہ ۳/۲۳۴ [3] ابن ندیم /۱۴۴

[4] شبلی سیرۃ ۱/۲۴ — [5] ابن ندیم /۱۴۴ — [6] اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ ایک کتاب دان میں صرف ۲۰ کتابیں رہتی تھیں تو ۱۲ ہزار کتابیں ہونا چاہئیں۔

ہیں دن اور تاریخ کے علاوہ گھڑی اور گھنٹہ تک کا خیال رکھا گیا ہے۔[۱] ظاہر ہے کہ تاریخ و ایام کی یہ صراحتیں اس وقت تک ممکن نہیں جب تک کسی مصنف کے پیش نظر کما حقہٗ تفصیلات نہ ہوں۔

ابن اسحٰق اور واقدی کی روایات کا آپس میں مقابلہ کیا جائے تو نتیجہ نکلتا ہے کہ ان میں بہت سی روایتوں کے ماخذ ایک حد تک مشترک تھے، اس لئے کہ واقعاتِ متعلقہ کی توقیت اور دوسری تاریخی تفصیلات میں کچھ زیادہ اختلاف نہیں، مثلاً مندرجہ ذیل واقعات کی تاریخی روایتوں کے ماخذ تقریباً مشترک معلوم ہوتے ہیں۔

واقعۂ ہجرت[۱]، غزوۂ ابواء[۲]، غزوۂ عشیرہ[۳]، غزوۂ بدر[۴]، غزوۂ سویق[۵]، غزوۂ احد[۶]، غزوہ حمراء الاسد[۷] غزوۂ بنو نضیر[۸]، غزوۂ دومۃ الجندل[۹]، غزوۂ مریسیع[۱۰]، غزوۂ حدیبیہ[۱۱]، فتح مکہ[۱۲]، حنین[۱۳] وغیرہ۔ اور اگرچہ ان غزوات میں سے کچھ کی تفصیلی تاریخوں میں تھوڑا بہت اختلاف بھی ہے، لیکن جہاں تک مہینوں کا تعلق ہے وہ قطعاً مشترک ہیں۔

ان کے مقابلے میں مندرجہ ذیل واقعات کی تاریخوں پر نظر کیجئے تو ظاہر ہوتا ہے کہ ابن اسحٰق، اور واقدی کے بعض ماخذ بالکل مختلف تھے، اور باوجودیکہ واقدی کے سامنے ابن اسحٰق کی پوری کتاب موجود تھی پھر بھی اُنھیں اپنی تحقیق اور اُس کے نتائج پر اس درجہ اعتماد بلکہ اصرار تھا کہ انھوں نے ابن اسحٰق کی بیان کردہ بہت سی تاریخوں اور توقیتی صراحتوں کو چھوا تک نہیں اور اپنے ماخذوں کو برقرار رکھا۔

میں نے مقالۂ اول میں بھی ان واقعات کا سرسری تذکرہ کیا ہے، اور یہاں بھی دوبارہ فہرست دیتا ہوں۔

واقعات	بروایت ابن اسحٰق	بروایت واقدی
۱- غزوۂ کرز بن جابر فہری	جمادی الاخریٰ ۲ھ	ربیع الاول ۲ھ
۲- غزوۂ بنی سُلیم	شوال ۲ھ	محرم ۳ھ
۳- غزوہ ذی امر	محرم ۳ھ	ربیع الاول ۳ھ
۴- سریہ زید بن حارثہ	ربیع الاول ۳ھ (بدر سے چھ ماہ بعد)	جمادی الاخریٰ ۳ھ

[۱] مثلاً دیکھئے ابن ہشام / واقعہ ہجرت، یا طبری / قتل خسرو پرویز کی تاریخ وغیرہ۔

واقعات	بروایت ابن اسحٰق	بروایت واقدی
۵- غزوۂ احد	شوال ۳ھ	محرم ۴ھ (بروایت عبدالحمید بن جعفر)
۶- حادثۂ رجیع	شوال، ذیقعدہ ۳ھ (اُحد کے بعد)	صفر ۴ھ
۷- غزوۂ بدر موعد	شعبان ۴ھ	ذیقعدہ ۴ھ
۸- غزوۂ ذات الرقاع	جمادی الاول ۴ھ	محرم ۵ھ
۹- غزوۂ کرز اِبی عرنیین	جمادی الاولیٰ ۶ھ	شوال ۶ھ
۱۰- غزوۂ خیبر	محرم ۷ھ	جمادی الاولیٰ ۷ھ

ان واقعات کے توقیتی اختلافات سے بدیہی طور پر یہ نتیجہ نکلتا ہے، کہ اگر ابن اسحٰق اور واقدی نے غیر دیانت داری سے کام نہیں لیا تھا، تو ان دونوں کے ابتدائی ماخذ بالکل جدا جدا تھے۔

اس طرح ہم سیرت کی ابتدائی تدوین میں کم سے کم دو مساوی درجے کے ماخذوں یا دستاویزوں کی کارفرمائی محسوس کرتے ہیں۔

یہاں قدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان مختلف دستاویزوں میں ایک ہی واقعہ کے متعلق جو دو مختلف مہینوں کے نام لئے گئے ہیں اُس کی بنیادی وجہ کیا ہو سکتی ہے؟ کیا واقعی ابن اسحٰق اور واقدی کے رواۃ ان واقعات کے توقیت کے سلسلہ میں اتنے ہی زیادہ مختلف الخیال تھے کہ وہ متفقہ طور پر واقعات کا صحیح مہینہ بھی بیان نہیں کر سکتے تھے یا پھر یہ تمام ایام و شہور کی صراحتیں، محض فرضی اور صرف زیبِ داستان کے لئے سمجھی جائیں جن میں شرکاء کی عینی شہادتوں کو دخل نہ تھا۔

دو تقویمی نظریہ کی ابتداء

یہی وہ نقطہ ہے، جہاں سے حقیقی معنی میں دو تقویمی نظریئے کی ابتدا ہوتی ہے۔ اس سلسلے میں راقم الحروف کا یہ خیال ہے کہ عہدِ رسالت اور عہدِ صحابہ میں جبکہ یہ دستاویزیں یا دوسرے الفاظ میں یادداشتیں ضبطِ تحریر میں آرہی تھیں، تو ان کے رُواۃ کچھ مہاجر تھے اور کچھ انصار، غالباً مہاجر کی یادداشتیں، اور روایات سب کی سب مکی تقویم کے بموجب ریکارڈ ہوئی تھیں، جن کے مقابلے میں انصار اپنی قدیم خالص قمری تقویم استعمال کر رہے تھے،

میرا خیال ہے کہ ان یادداشتوں کو تابعین کے عہد میں جب اکٹھا کیا گیا تو اس بات کا لحاظ نہیں رہا کہ اصل دستاویزوں میں کون سی دستاویز مکیؔ تھی اور کون سی مدنی۔؟ دونوں تقویموں کے مہینے چونکہ مشترک الاسم تھے اس لئے ان سب کو اُسی ایک کلینڈر کی تاریخیں سمجھ لیا گیا جو مدنیین کے زمانے میں جاری تھا، یہی وجہ ہے کہ نہ صرف ابن اسحٰق اور واقدی، بلکہ دوسرے قدیم مصنفین کے یہاں بھی مکیؔ اور مدنی توقیت کا ایک عجیب اختلاط نظر آتا ہے۔

میرے اس دعوے کا کہ متذکرہ بالا توقیتی اختلافات محض دو۲ دستاویزوں، اور دو تقویموں کی کارفرمائی کا نتیجہ ہیں، ایک بیّن ثبوت یہ ہے کہ میری "مکیؔ تقویم" کے پہلو میں اگر "عام قمری تقویم" رکھ دی جائے تو یہ تمام اختلافات اُسی آن ختم ہو جاتے ہیں۔

قارئین کو اس کا مکمل اندازہ تو "مقالہ چہارم" میں ہو سکے گا، جہاں اس قسم کے تمام واقعات سے ترتیب وار اور پوری بحث کی گئی ہے، تاہم یہاں صرف مندرجۂ ذیل واقعات پر ایک سرسری نظر ڈال لینا کافی ہوگا۔

(۱) غزوۂ کرز بن جابر فہری کے متعلق واقدی نے یہ صراحت کی ہے کہ یہ واقعہ ربیع الاول ۲؁ کا ہے[۱]۔ اس کے مقابلے میں ابن اسحاق نے اس کو جمادی الاُخریٰ کا واقعہ قرار دیا ہے[۲]۔ جمادی الاُخریٰ ۲؁ مدنی ۳۰ر نومبر ۶۲۳؁ کو شروع ہوا تھا[۳]۔ مکیؔ جدول تقویم میں ربیع الاول ۲؁ بھی اسی تاریخ کو شروع ہو رہا ہے[۴]۔ گویا یہ واقعہ ۳۰ر نومبر ۶۲۳؁ کے بعد کا ہے۔

(۲) اسی طرح غزوۂ بنو سُلیم بروایت واقدی محرم ۳؁ کا واقعہ ہے[۵] لیکن ابن اسحٰق نے اس کی تاریخ بدر کے عین بعد شوال ۲؁ بیان کی ہے[۶]۔ ہجری تقویم کے بموجب محرم ۳؁ ۲۴ر جون ۶۲۳؁ کے مطابق تھا[۷]۔ میری مکیؔ تقویم کے بموجب شوال ۲؁ بھی عین اسی تاریخ شروع ہوا تھا[۸]۔ گویا واقدی کی تاریخ مدنی ہے اور ابن اسحاق کی مکیؔ۔

---

[۱] ابن ہشام ۲/۲۵۱ [۲] واقدی ۱/۳ [۳] دیکھئے برہان جولائی ۶۴؁ ۲۹ [۴] ایضاً /۲۰ [۵] واقدی /۱۸۳
[۶] ابن ہشام ۳/۴۶ [۷] دیکھئے برہان جولائی ۶۴؁ /۲۹، [۸] برہان /۲۱۔

(۳) غزوۂ ذی امر کے متعلق واقدی کی روایت یہ ہے کہ آنحضرتؐ ربیع الاول ۳ھ میں بنو غطفان[1] کی طرف روانہ ہوئے تھے، ابن اسحٰق نے اس غزوے کی تاریخ بیان کرتے ہوئے وضاحت کی ہے، کہ آنحضرتؐ جب غزوۂ سویق سے واپس آئے، تو ذوالحجہ کا باقی مہینہ یا اس کے لگ بھگ مدینے میں رہے، اس کے بعد غطفان سے جنگ کے لئے نکلے، اور یہی غزوۂ ذی امر ہے[2]۔

غزوۂ سویق متفقہ طور پر ذوالحجہ ۲ھ کا واقعہ ہے[3]۔ اس لئے غزوۂ ذی امر بھی اسی ذوالحجہ کے آخر اور ابتدائی محرم میں ہونا چاہئے، ہجری حساب سے ربیع الاول ۳ھ ۲۲ر اگست ۶۲۴ء کو شروع ہوا تھا[4]۔ اور میری مکی تقویم کے بموجب ذوالحجہ مکی کی ابتداء بھی عین اسی تاریخ یعنی ۲۲ر اگست کو ہوئی تھی[5]۔

(۴) سریۂ زید بن حارثہ کے متعلق ابن اسحٰق کی یہ صراحت ملتی ہے کہ یہ سریہ بدر سے چھ ماہ بعد کا واقعہ ہے[6]۔ جنگ بدر رمضان ۲ھ میں ہوئی تھی[7]۔ اس لئے یہ واقعہ ربیع الاول ۳ھ میں ہونا چاہئے۔ اس کے مقابلے میں واقدی کی روایت کے بموجب یہ واقعہ جمادی الاُخریٰ ۳ھ میں پیش آیا تھا[8]۔ ہجری تقویم کے بموجب جمادی الاُخریٰ ۳ھ ۱۹ر نومبر ۶۲۴ء کو شروع ہوا تھا[9]۔ مکی تقویم کے مطابق ربیع الاول ۳ھ بھی اسی نومبر کو شروع ہوا ہے[10]۔

(۵) غزوۂ اُحد ۳ھ کا سب سے مشہور واقعہ ہے۔ اور اگرچہ ابن اسحٰق اور واقدی دونوں نے اس کی تاریخ شوال ۳ھ بیان کی ہے[11]۔ لیکن جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے، واقدی نے عبدالحمید بن جعفر[12] کی ایک غیر مشہور روایت درج کر کے اس کی مشہور توقیت میں اختلاف پیدا کر دیا ہے، کہ یہ واقعہ شوال ۳ھ کا تھا یا محرم ۴ھ کا؟ حقیقت یہ ہے کہ یہ بھی دو تقویمی کارفرمائی کا ایک دلچسپ نمونہ ہے، چنانچہ ہجری تقویم کے بموجب محرم ۴ھ ۱۳ر جون ۶۲۵ء کو شروع ہوا تھا[13]۔

---

[1] واقدی/۱۹۲ [2] ابن ہشام ۳/ ۴۹ [3] واقدی/ ۳/ ۱۸۲، ابن ہشام/ [4] دیکھئے برہان جولائی/ ۲۹
[5] ایضاً/ ۲۱ [6] البدایہ ۴/ ۴ [7] ابن ہشام ۲/ ۲۷۸، واقدی/ ۳/ [8] واقدی/ ۱۹۵-
[9] دیکھئے برہان جولائی ۱۹۶۷ء/ ۱۹ [10] برہان/ ۲۰ [11] دیکھئے ابن ہشام، نیز دیکھئے واقدی/ ۳/
[12] واقدی/ ۳۱۷، ۳۱۸ [13] دیکھئے برہان جولائی ۱۹۶۷ء/ ۲۹

اور میری مکی تقویم میں شوال سنہ ۳ بھی اسی ۱۳ر جون کو شروع ہو رہا ہے[۱]۔ جس سے یہ اندازہ ہوئے بغیر نہیں رہتا کہ اس غزوے کے متعلق شوال کی توقیت مکی ریکارڈوں کے مطابق کی گئی تھی۔ اور یہ روایت مدنی حسابات کی آئینہ دار ہے۔

(۶) غزوۂ احد کے بعد ابن اسحٰق نے ایک واقعہ "یوم رجیع" کے نام سے بیان کیا ہے[۲]۔ اور امام بخاری نے بھی خود ابن اسحٰق کے حوالے سے اس کو احد کے بعد کا واقعہ قرار دیا ہے[۳]۔ اوپر گزر چکا ہے کہ غزوۂ احد متفقہ طور پر شوال سنہ ۳ کا واقعہ سمجھا جاتا ہے، اس لئے ابن حبیب نے اس کی تاریخ آخر شوال سنہ ۳ ہی بیان کی ہے[۴]۔ جس سے معلوم ہوتا ہے، کہ یہ حادثہ شروع ذی قعدہ سنہ ۳ میں پیش آیا، بخلاف اس کے واقدی نے اس واقعہ کی تاریخ صفر سنہ ۴ بیان کی ہے[۵]۔ جس کے تتبع میں ابن سعد وغیرہ نے بھی اسی تاریخ کو قبول کیا ہے[۶]۔

یہ متضاد تاریخیں بھی دو تقویمی کارفرمائی کا نتیجہ معلوم ہوتی ہیں، کیوں کہ ہجری تقویم کے بموجب صفر سنہ ۴ کی ابتداء ۱۳ر جولائی سنہ ۶۲۵ کو ہوئی تھی[۷]۔ اور میری مکی تقویم کے بموجب ذی قعدہ[۸] سنہ ۳ بھی اسی تاریخ کو شروع ہو رہا ہے۔ گویا ابن اسحٰق کی اسناد کا ریکارڈ مکی تھا، اور واقدی کا مدنی۔

(۷) اسی طرح غزوہ "بدر موعد" کی تاریخ واقدی کے یہاں ذیقعدہ سنہ ۴ مذکور ہوئی ہے[۹]، مگر ابن اسحٰق کے یہاں شعبان سنہ ۴ ملتی ہے[۱۰]، عام قمری تقویم کے حساب سے ذیقعدہ سنہ ۴ ۴ر اپریل سنہ ۶۲۵[۱۱] کو شروع ہوا تھا۔ اس کے مقابلے میں مکی شعبان سنہ ۴ کی ابتداء بھی اسی ۴ر اپریل کو ہوئی تھی[۱۲]۔ گویا ابن اسحٰق نے اس واقعہ کی مکی تاریخ بیان کی ہے، اور واقدی نے مدنی مہینے کا نام لیا ہے۔

مزید نظر دوڑائیے تو پتہ چلتا ہے کہ دونوں ریکارڈوں میں صرف مہینے کا اختلاف ہے، تاریخ میں نہیں، چنانچہ ابن سعد نے صراحت کی ہے، کہ یہ ہلال ذیقعدہ کا واقعہ[۱۳] تھا، اس کے مقابلے میں ابن حبیب

---

[۱] برہان/۲۱ [۲] ابن ہشام [۳] بخاری [۴] ابن حبیب/۱۱۷ [۵] واقدی/۴ [۶] ابن سعد ۲/۳۹ [۷] دیکھئے برہان جولائی سنہ ۶۴ء/۲۹ [۸] برہان/۲۱ [۹] واقدی/۴ [۱۰] ابن ہشام ۳/۲۲۰ [۱۱] دیکھئے برہان جولائی سنہ ۱۹۶۴ء/۲۹ [۱۲] برہان/۲۱ [۱۳] ابن سعد ۲/-

کے یہاں متصل شعبان مذکور ہے[1]، گویا ایک راوی کے نزدیک یہ ذیقعدہ کی چاند رات کا واقعہ تھا، اور دوسرے کے نزدیک یکم شعبان کا، جس سے دو تقویمی نظریے کی صحت میں شبہ نہیں رہتا۔

(۸) بالکل یہی کیفیت غزوہ "ذات الرقاع" کی ہے، واقدی کا بیان ہے کہ یہ غزوہ محرم ۵ھ کا واقعہ تھا[2] لیکن ابن اسحٰق نے اس کی تاریخ جمادی الاولیٰ ۴ھ[3] بیان کی ہے۔ میری مکی تقویم کے بموجب محرم ۵ھ ۲۸ ستمبر ۶۲۶ء کو شروع ہوا تھا[4]، اور قمری تقویم کی رو سے جمادی الاولیٰ ۵ھ بھی اسی تاریخ کو شروع ہو رہا ہے[5]۔

اس غزوے کی تاریخ بھی دونوں ریکارڈوں میں بالکل مشترک ہے، ابن سعد کے نزدیک یہ ۱۰ محرم کا واقعہ تھا[6]۔ اور ابن حبیب کے نزدیک ۱۰ جمادی الاولیٰ[7] کا، جس سے یہ پورا پورا اندازہ ہوتا ہے کہ ابتدائی رواۃ دو علیحدہ علیحدہ تقویمیں استعمال کر رہے تھے۔

(۹) ابن اسحٰق نے دیار بکری کے بقول سریۂ کرز ابی عرنیین کی تاریخ جمادی الاولیٰ ۶ھ[8] بیان کی ہے، لیکن واقدی نے اس واقعے کو شوال[9] کا قرار دیا ہے۔

میری مکی تقویم کی رو سے جمادی ۶ھ ۱۳ فروری ۶۲۸ء[10] کو شروع ہوا تھا، اور اسی تاریخ کو قمری شوال کی بھی ابتدا ہوئی تھی[11]۔

(۱۰) غزوۂ خیبر کی تاریخوں کا بھی یہی حال ہے، واقدی کے بیان کے بموجب غزوۂ خیبر جمادی الاولیٰ ۷ھ کا واقعہ تھا[12]، لیکن ابن اسحٰق نے اس کو محرم ۷ھ میں ظاہر کیا ہے[13]، بخاری کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے، کہ غزوہ ذی قرد جو ذوالحجہ ۶ھ کا واقعہ تھا[14]، غزوۂ خیبر سے صرف تین دن پہلے کی بات ہے، جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ خیبر پر فوج کشی محرم سے کچھ پہلے شروع ہو گئی تھی۔

مدنی تقویم کے بموجب جمادی الاولیٰ کی پہلی تاریخ ۲ ستمبر ۶۲۸ء سے مطابق تھی[15]، مکی تقویم کے بموجب ذوالحجہ مکی بھی اسی تاریخ شروع ہوا تھا[16]۔

---

[1] ابن حبیب/۱۱۳ [2] واقدی/۴ [3] ابن ہشام ۳/۲۱۴ [4] برہان جولائی ۱۹۶۴ء/۲۰ [5] ایضاً/۲۹۔
[6] ابن سعد ۲/۴۳ [7] ابن حبیب/۱۱۳ [8] دیار بکری ۲/۱۰ نیز دیکھیے برہان مئی ۶۳ء/۲۸۷۔
[9] واقدی/۴ [10] دیکھیے برہان جولائی ۶۴ء/۲۲۔ [11] ایضاً/۲۹۔ [12] واقدی/۴۔
[13] ابن ہشام ۳/۳۴۲ [14] کتاب المغازی۔ [15] دیکھیے برہان/۳۰ [16] برہان/۲۲۔

ان دونوں مثالوں سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جس زمانے میں یہ واقعات ریکارڈ کیے گئے تھے تو مکی اور مدنی تقویمیں دوش بدوش چل رہی تھیں، اور ابتدائی رُواۃ اپنے اپنے طریقے پر ان واقعات کا ریکارڈ کر رہے تھے، ریکارڈ جب مختلف اساتذہ اور مصنفین کے ہاتھوں سے گذرتے ہوئے ابن اسحٰق اور واقدی تک پہنچے، تو ان کی کتابوں میں اختلافات کا ہونا بالکل قدرتی تھا۔

تاہم حیرت ہے کہ واقدی نے ان ماخذوں پر اتنا بھروسہ کیا کہ اپنے عظیم پیش رو یعنی ابن اسحاق کی بیان کردہ توقیت کو چھوا تک نہیں، حالانکہ اُن کی گراں پایہ تصنیف واقدی کے سامنے رہی۔

غالباً یہ روایتیں عہدِ صحابہ ہی میں خلط ملط ہو گئی تھیں سطورِ بالا میں جن واقعات کی تاریخوں پر امتحانی نظر ڈالی گئی ہے اگر صرف انھیں تاریخوں کو سامنے رکھ کر مزید غور کیا جائے، تو اندازہ ہوتا ہے کہ ابنِ اسحٰق اور واقدی کو جس زمانے میں یہ تاریخیں پہنچی تھیں تو مخلوط ہو چکی تھیں، یعنی یہ نہیں ہوا کہ مثلاً ابن اسحٰق کو صرف مکی تاریخیں ملی ہوں اور واقدی کو صرف مدنی، بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خود ابتدائی اساتذہ اور مدونینِ سیرت یا یوں کہیے کہ ابتدائی جامعینِ روایات کے عہد میں یہ اختلاط ہو چکا تھا، چنانچہ نقشہ ذیل سے یہی نتیجہ نکلتا ہے۔

واقعات	ابن اسحٰق	واقدی
غزوۂ کرز بن جابر فہری	مدنی	مکی
غزوۂ بنو سُلیم	مکی	مدنی
سریہ زید بن حارثہ	مکی	مدنی
غزوۂ ذی امر	مکی	مدنی
غزوۂ اُحد	مکی	مدنی
حادثۂ رجیع	مکی	مدنی
غزوۂ بدر موعد	مکی	مدنی
غزوۂ ذات الرقاع	مدنی	مکی

واقعات	ابن اسحٰق	واقدی
سریۂ کرز بن جابر الی عرنیین	مکیؔ	مدنی
غزوۂ خیبر	مکیؔ	مدنی

اس نقشے سے اگرچہ اتنا اندازہ ضرور ہوتا ہے کہ ابن اسحٰق اور انکے اساتذہ کے ماخذ بیشتر مکیؔ ریکارڈ تھے اور واقدی کا سرمایہ زیادہ تر مدنی ریکارڈوں پر مشتمل تھا لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بات بھی صاف ہو جاتی ہے کہ ان اساطینِ سیرت کے دَور سے بہت پہلے عامۃ الناس تو کیا علماءِ اسلام تک مکیؔ اور مدنی تقویم کے امتیازات بھول چکے تھے اور یہ توقیتی روایتیں آپس میں پوری طرح خلط ملط ہو چکی تھیں، چنانچہ ابن اسحٰق کے یہاں کم از کم دو ریکارڈوں (یعنی ۱ و ۸) کی تاریخیں مدنی معلوم ہوتی ہیں، اور واقدی کے یہاں یہی تاریخیں مکیؔ نظر آتی ہیں۔

اس سلسلے میں ایک ضروری سوال اس نتیجے پر پہنچنے کے بعد قدرتی طور پر یہ سوال سامنے آتا ہے کہ اس قسم کا اختلاط اُن مشترک توقیتی روایات میں بھی ممکن ہے یا نہیں، جو ابن اسحٰق اور واقدی کے درمیان "مختلف فیہ" نہیں، اور اگر ان روایتوں میں بھی موجود ہے تو پھر اس بات کا اندازہ کس طرح لگایا جائے کہ فلاں واقعے کا ریکارڈ مکیؔ تقویم کے بموجب ہوا تھا، اور فلاں کا مدنی تقویم کے ذریعہ، کیوں کہ ان کی تاریخوں کے "متفق علیہ" ہونے کی وجہ سے ہمارے پاس بجائے "دو گواہوں" کے صرف "ایک گواہ" رہ جاتا ہے" اور وہ بھی ایسا جس کے متعلق یہ قیاس مشکل ہے کہ اس کے ذہن میں کون سی تقویم تھی، گویا تاریخی طور پر جو "مختلف فیہ" روایات تھیں، وہ اس نظریئے کی بدولت (توقیتی اعتبار سے) زیادہ قابلِ وثوق نظر آ رہی ہیں، اور متفق علیہ تاریخوں کے متعلق یہ فکر دامن گیر ہے کہ ان کا صحیح زمانہ کس طرح متعین کیا جائے۔

اس سلسلے میں میرا طریقۂ کار حسبِ ذیل ہے:

۱۔ ابن اسحٰق اور واقدی کی "مختلف فیہ" روایات کے علاوہ عام روایتوں میں بھی جگہ جگہ "دو تقویمی کارفرمائی نظر آتی ہے، اس طرح تقریباً ۱۹، ۲۰ واقعات کا زمانہ بآسانی متعین کیا جا سکتا ہے۔

(۲) کئی واقعات ایسے ملتے ہیں، جن کے موسم تلاش کرنا ممکن ہیں، ان موسموں کی وساطت سے صحیح

تاریخ معلوم کی جاسکتی ہے اور پتہ چلایا جاسکتا ہے کہ رواۃ کے ذہن میں مکی تقویم تھی یا مدنی۔

۳۔ کچھ واقعات ایسے ہیں جن کی تاریخیں عصری تاریخ یا علم ہیئت کی شہادت کے ذریعہ متعین کی جاسکتی ہیں، مثلاً کسریٰ کے قتل یا چاند گرہن وغیرہ کی توقیت وغیرہ۔

۴۔ اسی طرح بہت سے واقعات کا زمانہ جو مندرجہ بالا واقعات کے متصل ظہور میں آئے تھے، خودبخود متعین ہوجائے گا۔

۵۔ تاریخ وایام کی مطابقت اور عدم مطابقت کی شہادتیں بھی افادیت سے خالی نہیں مگر ان کو زیادہ اہمیت نہیں دی جاسکتی۔

۶۔ سب سے آخر میں ایک قیاسِ تاریخی رہ جاتا ہے جس پر عمل کرنا ضروری ہے۔

توقیتی اختلافات کا واقعاتی ترتیب پر اثر

ان توقیتی اختلافات کا اثر ظاہر ہے، کہ کتبِ سیرت کی واقعاتی ترتیب پر ناگزیر تھا، چنانچہ ہم دیکھتے ہیں، کہ ابتدائی مصنفین سیرت کے یہاں یہ ترتیبی اختلافات اتنی کثرت سے موجود ہیں کہ حیرت ہوتی ہے، اور بعض اوقات تو خود ان مصنفین کی روایات کا صحیح مفہوم سمجھنا دشوار ہوجاتا ہے۔

مثال کے طور پر واقدی اور ابنِ سعد نے صفر ۴ھ کے دو واقعات بہ ایں صراحت بیان کئے ہیں، کہ یہ ہجرت سے ۳۶ مہینے بعد ظہور میں آئے تھے[1] اس میں سے ایک "بیر معونہ" اور دوسرا "رجیع" کا واقعہ ہے، رجیع کا ذکر اوپر آچکا ہے، ان دونوں میں واقدی نے بیر معونہ کے واقعے کو مقدم قرار دیا ہے، اس واقعے کا ماحصل یہ ہے، کہ صفر ۴ھ میں بنو عامر کا رئیس مدینے آیا۔ اور پیغمبر اسلام کو مشورہ دیا کہ اطرافِ نجد میں کچھ مبلغین روانہ کئے جائیں، اس پر آپ نے تعلیم یافتہ مبلغین کی ایک بھاری جماعت روانہ کردی، یہ لوگ جب بنو عامر کی بستیوں میں پہنچے تو سب کے سب قتل کرڈالے گئے[2]

ابن اسحٰق کے نزدیک بھی یہ واقعہ صفر ۴ھ ہی کا ہے، لیکن رجیع سے تقریباً تین ماہ بعد کا۔[3]

---

[1] واقدی/۳ [2] واقدی/۳۴۷، ابن سعد ۲/۳۶ نیز دیکھئے البدایۃ ۴/۷۲، طبری ۳/۳۳-۳۴

[3] دیکھئے ابن ہشام ۳/۱۹۳۔

واقعہ رجیع کے متعلق واقدی کا بیان یہ ہے کہ اسی صفر ۴ھ میں عضل وقارہ کے کچھ لوگ مدینے آئے اور پیغمبر اسلامؐ سے استدعا کی کہ ان کے ساتھ کچھ ایسے افراد کر دیئے جائیں جو تعلیم اسلام دے سکیں۔[۱] اس پر کچھ چیدہ افراد اُن کے ہمراہ کر دیئے گئے یہ لوگ جب بنو لحیان کی بستیوں میں پہنچے تو میزبانوں نے مہمانوں سے دھوکا کیا۔ اور تقریباً سب کو قتل کر ڈالا صرف خبیب بن عدی اور زید بن دثنہ کو گرفتار کرکے مکّے لے گئے، اور قریش کے حوالہ کر دیا۔

واقدی اور ابن سعد دونوں نے صراحت کی ہے، کہ خبیب کو قریش نے فوراً قتل نہیں کیا۔ اور یہ اس وقت تک اُن کی قید میں رہے جب تک حرام مہینے (جن میں خون ریزیاں ممنوع تھیں) نہ گذر گئے۔ واقدی کے الفاظ یہ ہیں ..... "فلما انسلخت الاشهر الحرم ...."[۲] اور تقریباً یہی لفظ ابن سعد نے اختیار کئے ہیں۔ "حتیٰ خرجت الاشهر الحرم"[۳] جوں ہی یہ حرام مہینے ختم ہو گئے، قریش نے خبیب کو تنعیم میں لے جاکر قتل کر دیا اور سُولی دے دی۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر واقعی خبیب کو صفر ۴ھ میں روانہ کیا گیا تھا، اور وہ جاتے ہی گرفتار ہو گئے تھے، تو ان مورخوں کے نزدیک "انقضائے اشہر حرم" سے کیا مراد ہے؟ کیونکہ "صفر" کے بعد "رجب" تک کوئی حرام مہینہ نہیں آتا پھر "رجب" بھی تنہا مہینہ ہے، اور "اشہر حرم" کی شرط پوری کرنے کے لئے کچھ اور حرام مہینے درکار ہیں، جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے، کہ اگر یہ تفصیلات صحیح ہیں تو خبیب ۴ھ میں قتل نہیں ہوئے۔ بلکہ محرم ۵ھ ختم ہونے کے بعد قتل کئے گئے اور پورے ایک سال قریش کی قید میں رہے جو نہایت بعید از قیاس بات ہے۔

اس کے مقابلے میں جیسا کہ بیان کیا جاچکا ہے ابن اسحٰق نے رجیع کے متعلق یہ صراحت کی ہے کہ یہ واقعہ غزوۂ احد سے کچھ دن بعد کا ہے۔[۴] غزوۂ احد چونکہ شوال ۳ھ میں ہوا تھا، اس لئے ظاہر ہے کہ "خبیب" ذیقعدہ میں گرفتار ہوئے تھے[۵] جو حرام مہینہ تھا، اس لئے قریش نے اُن کو قید میں ڈال دیا، اور

[۱] واقدی/۳۴۷، ابن سعد ۲/۳۹ [۲] واقدی/۳۴۸ [۳] ابن سعد ۲/۴۰ [۴] ابن ہشام ۳/۱۷۸

[۵] خود واقدی کے یہاں بھی اتفاقاً اس ذیقعدہ کا ذکر آگیا ہے، دیکھئے/۳۴۸۔

جب تک ذوالحجہ اور محرم کے حرام مہینے ختم نہ ہو لئے، اُن کو قتل نہیں کیا گیا، غور فرمایئے کہ ان تفصیلات کو دیکھتے ہوئے واقدی کی توقیت کس درجہ مشتبہ ہو جاتی ہے، لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے، کہ واقدی کو اس واقعہ کی مدنی تاریخ ملی تھی، یعنی صفر ۴ھ جو ذیقعدہ مکی کا متوازی مہینہ تھا، واقدی سے یہ غلطی ہوئی، کہ انھوں نے اس "صفر" کو وہی "صفر" ۴ھ سمجھ لیا جس میں حادثۂ بیر معونہ ہوا تھا، حالانکہ یہ مدنی صفر تھا، جو محرم کے اُحد کے (یعنی محرم کے) بعد آیا تھا۔

پھر اس غلطی کی بنا پر دوسری غلطی یہ ہوئی، کہ انھوں نے اس واقعہ کو حادثۂ بیر معونہ سے متقدم قرار دے دیا جس کی بنیادی وجہ یہی دو تقویمی کارفرمائی تھی۔

(مزید تفصیلات کے لئے دیکھئے مقالہ چہارم "واقعہ رجیع" اور "حادثہ بیر معونہ")

ایک اور شبہ کا ازالہ آپ نے ابھی ملاحظہ فرمایا ہے، کہ واقدی اور ابن سعد نے واقعۂ رجیع اور بیر معونہ کے متعلق جو توقیتی صراحت کی ہے، اُس میں یہ الفاظ استعمال کئے گئے ہیں "علی راس ستۃ وثلثین شہرا"[1] بلکہ عام طور پر تمام غزوات و سرایا کے سلسلے میں انھوں نے اسی قسم کے الفاظ اختیار کئے ہیں اور بتایا ہے کہ یہ واقعہ ہجرت سے کتنے مہینے بعد پیش آیا تھا، جس سے یہ دھوکا ہو سکتا ہے، کہ اُن کے اصل ماخذوں میں بھی یہی الفاظ استعمال ہوئے تھے اور اصل رواۃِ سیرت نے واقعات کو بیان کرنے میں بھی یہی طریقہ اختیار کیا تھا کہ فلاں واقعہ ہجرت سے کتنے عرصے بعد کا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ الفاظ واقدی اور ابن سعد کے مخصوص طرزِ بیان یا طریقِ توقیت سے تعلق رکھتے ہیں، اصل روایتوں میں یہ لفظ نہ تھے، جس کا بیّن ثبوت یہ ہے کہ انھیں روایتوں کو جب ابن اسحٰق یا دوسرے مورخین، حتیٰ کہ کسی قدیم سے قدیم راوی نے بیان کیا ہے، تو یہ طریقہ اختیار نہیں کیا اور کسی نے یہ نہیں بتایا کہ فلاں واقعہ ہجرت سے اتنے مہینے بعد کا ہے۔

چنانچہ ابن اسحٰق جب کوئی واقعہ بیان کرتے ہیں، تو ان کے تمہیدی جملوں کا الگ انداز ہوتا ہے مثلاً بدر کے بعد غزوۂ بنو سلیم کی ابتدا یوں کی ہے:

---

[1] واقدی/۳ - ابن سعد ۲/۳۹ -

"جب رسول اللہ ﷺ (بدر سے) تشریف لائے، تو صرف سات راتیں قیام فرمانے پائے تھے کہ بنو سلیم پر بذاتِ خاص لشکر کشی فرمائی"۔ ۱ے

یا اس کے بعد غزوۂ سویق کے تمہیدی الفاظ یہ ہیں:

"بعد ازاں ذی الحجہ کے مہینے میں ابو سُفیان بن حرب کا غزوۂ سویق ہے اور اس حج کا انتظام مشرکوں کے ہاتھ میں تھا"۔ ۲ے

غزوۂ ذی امر کا تعارف اس طرح کراتے ہیں:

"تو جب رسول اللہ ﷺ غزوۂ سویق سے واپس تشریف لائے، تو ذی الحجہ کے باقی مہینے یا اس کے لگ بھگ مدینے میں قیام فرمایا، اس کے بعد غطفان پر فوج کشی کی اور یہی غزوۂ ذی امر ہے"۔ ۳ے

ظاہر ہے کہ اصل روایتوں میں اگر وہی الفاظ ہوتے جو واقدی یا ابن سعد نے بیان کئے ہیں تو ابن اسحٰق کا طرزِ بیان بھی بالکل ویسا ہی یا اُس کے لگ بھگ ہوتا۔

اس طرح ابن اسحاق کے ان تمہیدی جملوں کا تعلق بھی اصل روایات سے کچھ نہیں، بلکہ حقیقتاً یہ خاص ابن اسحاق کا "طرزِ توقیت" ہے، اس لئے ان دونوں ائمہ سیرت کے مخصوص اندازِ بیان اور طرزِ توقیت سے ہمیں اس مغالطے میں نہ پڑنا چاہیئے، کہ ان کے اصل ماخذوں میں اس قسم کی عبارتیں موجود تھیں، یا اصل رواۃ سیرت کا یہی "طرزِ توقیت" تھا، بلکہ یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ یہ صرف اُن کی ذاتی فہم اور دو تقویمی کارفرمائی کا منطقی نتیجہ ہے۔

واقعے کی صحیح نوعیت سمجھنے کے لئے یہاں غزوۂ "بدر موعد" اور "غزوۂ ذات الرقاع" کے توقیتی اختلاف اور خاص طور پر ترتیب پر غور فرمایئے، ابن اسحاق اور واقدی کے مکاتبِ تاریخ میں یہ اختلاف مدتوں سے چلا آرہا ہے، کہ ان میں کون سا واقعہ مقدم ہے، اور کون سا مؤخر، چنانچہ مورخین کا ایک گروہ جو ابن اسحٰق کا ہم نوا ہے، غزوۂ "ذات الرقاع" کو مقدم سمجھتا ہے، اور واقدی کے ہم خیال علماء غزوۂ بدر موعد کو، لیکن

۱ے ابن ہشام ۳/۴۶ ۲ے ابن ہشام ۳/۴۷ ۳ے ابن ہشام ۳/۴۸ نیز دیکھئے البدایہ والنہایہ ۴/۲

اس پر سب کا اتفاق ہے، کہ یہ دونوں واقعات غزوۂ بنو نضیر کے بعد ظہور میں آئے تھے۔

میری رائے میں اس اختلاف کی بنیادی وجہ صرف یہ ہے کہ ابنِ اسحٰق کو "بدر موعد" کی مکی تاریخ یعنی "شعبان" پہنچی تھی، اور غزوۂ ذات الرقاع کی مدنی یعنی "جمادی"۔ بخلاف اس کے واقدی کو "بدر موعد" کی مدنی تاریخ یعنی "ذیقعدہ" پہنچی تھی، اور "ذات الرقاع" کی مکی یعنی "محرم ۵ھ"۔

ابن اسحٰق اور واقدی کے زمانے میں چونکہ صرف ایک تقویم پر عمل ہو رہا تھا، اور "مکی تقویم" عرصۂ دراز سے تقویم پارینہ بن چکی تھی، اس لئے ان تمام مہینوں کو صرف ہجری مہینے سمجھ لیا گیا، اور اسی اعتبار سے واقعات کو مرتب کر دیا گیا، اس قسم کی غلطیوں کو مندرجۂ ذیل مثال سے سمجھئے:

فرض کیجئے کہ پرانے مخطوطات کے کسی تاجر کے یہاں آپ کو تین (۳) قدیم ورق ملتے ہیں۔ ان میں سے ایک پر "غزوۂ بنو نضیر" کا حال درج ہے، اور اس میں مذکورہ واقعے کی تاریخ ربیع الاول بیان کی گئی ہے، دوسرے پر "بدرِ موعد" کا حال، اور اس کی تاریخ شعبان درج ہے، اور تیسرے پر "غزوۂ ذات الرقاع" کی روداد کے ساتھ اس کی تاریخ "جمادی" بیان کی گئی ہے، اس کے ساتھ ساتھ ان اوراق میں کسی پر یہ صراحت بھی موجود ہے کہ یہ تینوں واقعات ۱۲ ماہ کے اندر ہی پیش آئے تھے اور ان میں "غزوۂ بنو نضیر" سب سے مقدم ہے۔

اسی طرح کے تین ورق مجھے ملتے ہیں، جن میں "غزوۂ بنو نضیر" کی تاریخ تو وہی "ربیع الاول" درج ہے۔ مگر بدرِ موعد" کی "ذیقعدہ" اور "ذات الرقاع" کی "محرم" باقی تمام صراحتیں تقریباً وہی موجود ہیں، جو متذکرہ بالا اوراق میں بیان کی جا چکی ہیں۔

ظاہر ہے کہ ان اوراق کو سامنے رکھ کر میرے اور آپ کے تاریخی نتائج اور واقعاتی ترتیب میں بین فرق ہوگا۔ آپ جب ان واقعات کو ترتیب دیں گے تو کالم "الف" کے مطابق اور میری ترتیب کالم "ب" کے مطابق ہوگی،

"الف"	"ب"
(۱) غزوۂ بنو نضیر ربیع الاول	(۱) غزوۂ بنو نضیر ربیع الاول

"ب"	"الف"
(۲) غزوۂ بدرِ موعد ار شعبان	(۲) غزوۂ ذات الرقاع ۱۰ ار جمادی الاولیٰ
(۳) غزوۂ ذات الرقاع ۱۰ ار محرم	(۳) غزوۂ بدر موعد ار شعبان

آپ "غزوۂ ذات الرقاع" کو "بدر موعد" کے بعد اس لئے جگہ نہیں دے سکتے، کہ اس طرح یہ واقعہ غزوۂ بنو نضیر سے ۱۴ مہینے بعد جا پڑے گا، اور ایک سال کی شرط ٹوٹ جائے گی، اور میں غزوۂ ذات الرقاع کو بدر موعد سے اس لئے مقدم نہیں کرسکتا، کہ میرے ورق میں اس کی تاریخ محرم ہے۔ ایک ایسا محرم جو غزوۂ بنو نضیر سے بہر صورت بعد میں آیا تھا۔

بعینہٖ یہی مثال ابن اسحٰق اور واقدی کی ترتیب کی ہے، جس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مکی تقویم کے فراموش ہو جانے کے بعد جب غیر مسلسل اور غیر مربوط تاریخی یادداشتیں علماء تاریخ کو ملیں، تو ان کے پاس بجز اس کے اور کوئی چارہ نہ تھا، کہ وہ محض اپنی ذہانت اور حسابات کی روشنی میں ان واقعات کو ترتیب دیں۔

مزید دستاویزیں مباحثِ گذشتہ کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچ چکے ہیں، کہ سیرت کے ابتدائی ماخذ دو قسم کی دستاویزوں پر مشتمل تھے، جن میں ایک پر مکی تقویم کی کارفرمائی تھی، اور دوسری پر مدنی کی[۲]

"دو دستاویزوں"[۲] کے لفظ سے یہ غلط فہمی پیدا ہو سکتی ہے، کہ سیرت کے ابتدائی ماخذ صرف دو افراد تھے، جنھوں نے خود عہدِ رسالت میں تدوین سیرت کا کام ختم کر لیا تھا، لیکن میں سمجھتا ہوں کہ یہ خیال نہ تو تاریخی اعتبار سے صحیح ہے، اور نہ واقعاتی شہادتیں اس کا ساتھ دیتی ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ عہدِ رسالت کی بہت سی مکتوبی یادداشتوں کا تذکرہ اوراق تاریخ میں ملتا ہے ان کو موجودہ اصطلاح میں کسی مستقل یا مُرتّب کتاب کا نام نہیں دیا جا سکتا۔ اس لئے کہ میری دانست میں ان مکتوبات کا مقصد "تصنیف" نہ تھا، بلکہ یہ محض نجی ضروریات کے لئے ایک قسم کے نوٹ تھے،

جو اشاعت کی غرض سے ضبطِ تحریر میں نہیں آئے تھے، تاہم اتنی بات کسی قدر یقین کے ساتھ کہی جا سکتی ہے، کہ انھیں یادداشتوں کا سہارا لے کر متعدد صحابہ نے روایتیں بیان کی تھیں اور بعض حالتوں میں یہ اُنکے ورثا اور شاگردوں تک بھی پہنچیں، لیکن ایسا بھی ہوا کہ کچھ ہی عرصے بعد ان کے لکھنے والوں کے نام متعین کرنا دشوار ہو گیا، مثلاً امام زہری کے زمانے میں یزید بن ابی حبیب المصری کو جو کتاب ملی تھی[1]، اسکے مصنف کا نام اس کتاب کے مکتشف تک کو نہ معلوم ہو سکا، اس لئے ہم یہ قیاس تو کر سکتے ہیں، کہ عہدِ رسالت میں متفرق واقعات کی نجی یادداشتیں ضبطِ تحریر میں آ رہی تھیں لیکن ان یادداشتوں کو تاریخی ترتیب دینا صرف مدونینِ سیرت کا کام تھا، جن کو بہت کچھ قطع و برید سے کام لینا پڑا ہوگا۔

توقیتی نقطۂ نظر سے ان یادداشتوں یا دستاویزوں کو اگرچہ دو ہی قسموں پر تقسیم کیا جا سکتا ہے، لیکن اگر واقعہ نویس ایک سے زیادہ تسلیم کر لئے جائیں تو ظاہر ہے کہ ایک ہی واقعے کے متعلق یہ ابتدائی یادداشتیں متعدد ہونا چاہئیں، جن میں کچھ مفصل ہو سکتی ہیں اور کچھ مجمل، چنانچہ کتبِ سیرت کی محتاط ورق گردانی سے ہمیں اس کا پورا پورا اندازہ ہوتا ہے۔

مثال کے طور پر کسی ایک ایسے واقعے کو لیجئے جو ابن اسحٰق اور واقدی دونوں کے نزدیک کسی "مشترک الاسم" مہینے میں ہوا ہو، اور اس کے بعد اس واقعے کی توقیتی تفصیلات پر غور کیجئے، تو اندازہ ہوتا ہے کہ یہ دونوں روایتیں بہت سی باتوں میں مختلف ہیں مثلاً غزوۂ سویق جو ان دونوں کے نزدیک ذوالحجہ ۲ھ کا واقعہ ہے، بنیادی طور پر ایک ہی تقویم سے متاثر معلوم ہوتا ہے، لیکن جب مزید تاریخی تفصیلات تلاش کی جاتی ہیں، تو اندازہ ہوتا ہے کہ اس واقعے کو کم سے کم دو ابتدائی راویوں نے بیان کیا ہوگا، اس لئے کہ ابن اسحاق کے یہاں اس غزوے کا کوئی دن یا تاریخ متعین نہیں، صرف مہینے کا نام ملتا ہے، بخلاف اس کے واقدی کے یہاں اس کی پوری صراحت موجود ہے:-

"رسول اللہ یکشنبے کے دن ۵ ذوالحجہ ۲ھ کو نکلے"[2]

ظاہر ہے کہ اس روایت کا اگر ایک ہی راوی ہوتا تو ابن اسحٰق نے بھی یہی تفصیل بیان کی ہوتی،

---

[1] طبری ۳/ ۸۵ [2] واقدی /۳/، ۱۸۲۔

اسی طرح فتح مکہ کے واقعہ کو لیجئے، ابن اسحٰق کے یہاں اس واقعے کے متعلق "دن" کی کوئی صراحت نہیں ملتی، صرف ۱۰ ر رمضان مذکور ہے[1]۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ واقدی کے پیشِ نظر جو دستاویز تھی، اس میں پوری صراحت موجود تھی،

"اور رسول اللہ ﷺ چہار شنبے کے دن ۱۰ ر رمضان کو نکلے"[2]

غور فرمائیے کہ اگر یہ تفصیل ابنِ اسحٰق کی نظر سے بھی گذرتی یا اُن کی کسی سند نے اس کو بیان کیا ہوتا تو وہ اس کو کیوں قبول نہ کرتے؟

مندرجہ بالا مثالوں سے یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ روایاتِ سیرت کے ابتدائی ریکارڈ بیشتر متفرق اور منتشر تھے، جیسے جیسے مسلمانوں میں تصنیف و تالیف کا شوق اور شعور پیدا ہوتا گیا ویسے ویسے ان کی علمی پیاس نے گم شدہ ذخائر کے سوتے تلاش کر لئے، چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ابن اسحٰق کے بعد ابن ہشام اور واقدی کے بعد ابن سعد کے یہاں مزید معلومات کا خزانہ برابر بڑھتا رہا۔

ابن حبیب کی دستاویز | اس سلسلے میں سب سے زیادہ حیرت خیز کام وہ ہے جو ابن حبیب المتوفی (۲۴۵ھ) کی "کتاب المحبر" میں نظر آتا ہے۔

ہر چند کہ "محبر" سیرت کی کتاب نہیں، بلکہ بعض بہت ہی مفید، عمدہ اور گوناگوں معلومات کا ایک چھوٹا سا کشکول ہے، جس میں پیغمبر اسلام کے غزوات و سرایا کی بھی ایک مفصل فہرست دو علیحدہ علیحدہ بابوں میں دی گئی ہے۔

"غزوات النبی ﷺ" کے عنوان سے جو باب ہے[3]۔ اُس میں بتّیس واقعات کی ترتیب وار فہرست دی گئی ہے، ان واقعات میں کم از کم ۲۶ کی تفصیلی تاریخیں درج ہیں، باقی چھ واقعات کے صرف مہینے متعین کئے گئے ہیں۔

سرایا کے ذیل میں صرف ایک سریہ (یعنی سریہ غالب بن عبداللہ اللیثی) کی پوری تاریخی صراحت ملتی ہے[4]۔ باقی سرایا کی صرف مجمل فہرست کتاب میں شامل کی گئی ہے جس میں اکثر واقعات کے مہینے بھی نامزد

---

[1] ابن ہشام ۴/۴۲ [2] ابن سعد ۲/۹۷ [3] دیکھئے ابن حبیب /۱۱۱ [4] ابن حبیب /۱۱۷

نہیں، اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے، کہ غالباً ابن حبیب کو ان واقعات کی پوری توقیتی صراحتیں نہ مل سکی تھیں۔

حیرت ہے، کہ ابن حبیب کی فہرستِ غزوات میں جو تاریخیں ملتی ہیں وہ دوسری سیرۃ یا تاریخ کی کتابوں سے کیفیت اور کمیت دونوں میں زائد ہیں۔ ابن اسحٰق تو خیر بہت متقدم ہیں، متاخرین میں ابن کثیر تک کے یہاں اتنی صراحتیں ناپید ہیں جن کے سامنے اسلاف کا بہت بڑا ذخیرۂ معلومات موجود تھا، چنانچہ کتاب المحبر کے ایڈیٹر، ڈاکٹر حمید اللہ کو یہ نوٹ لکھنا پڑا۔

"کتاب المحبر میں تمام کتبِ مغازی کے مقابلے میں بعض غزوات کی تاریخوں میں اختلاف ہے، متنبہ رہئے![1]"

اس صورت میں دیکھنا یہ ہے کہ ہمارے لیے ابن حبیب کی یہ تاریخی تفصیلات کہاں تک قابلِ قبول ہیں؟

ابن حبیب اور محبر کی حیثیت ابن حبیب تیسری صدی ہجری کے نصف اول کے مصنف ہیں، یہ واقدی اور ابن ہشام سے قریب العہد اور ابن سعد المتوفی (سن ۲۳۰ھ) کے معاصر تھے، اس اعتبار سے ان کا شمار متقدمین میں ہوتا ہے، تقریباً ۴۵ کتابیں تصنیف یا تالیف کیں، جن میں سے ان کی کتاب "المحبر" کو ایک خاص درجۂ امتیاز حاصل ہے، ابن ندیم[2]، خطیب بغدادی[3]، اور یاقوت حموی[4] وغیرہ نے انکی تصنیفات کا تذکرہ کیا ہے، اور البیرونی اور اصفہانی وغیرہ نے ان سے استناد کیا ہے۔[5] اس اعتبار سے یہ کہنا تو شاید غلط ہوگا کہ غزوات وسرایا کی تاریخیں بیان کرنے میں اس فاضل مصنف نے احتیاط سے کام نہیں لیا، پھر بھی یہ واقعہ ہے کہ ہمیں ان کی ابتدائی سند یا ماخذ اصلی کا کوئی علم نہیں، اور جیسا کہ ڈاکٹر حمید اللہ نے لکھا ہے، عام طور پر کسی سیرت یا مغازی کی کتاب میں ابن حبیب جیسی تاریخی تفصیلات نظر نہیں آتیں، گویا اس لحاظ سے ابن حبیب "منفرد" ہیں، ہاں طبری کے یہاں کچھ واقعات کی تاریخیں وہی ملتی ہیں، جو ابن حبیب نے بیان کی تھیں، اور اس سے یہ اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ یا تو طبری نے یہ تاریخیں خود ابن حبیب سے لی ہیں، یا ان دونوں کا کوئی مشترک ماخذ تھا، جو آج ہمارے

---

[1] ابن حبیب/ ۱۱۰ [2] ابن ندیم فہرست/ ۱۰۶ [3] خطیب بغدادی ۲/ [4] یاقوت ۶/ ۴۷۴ [5] دیکھئے آثار۔ کتاب الاغانی ۱۰/ ۱۴۹

سامنے نہیں، میرا خیال ہے کہ مشترک ماخذ کا ہونا زیادہ قرینِ قیاس ہے، اس لئے کہ طبری[1] کے یہاں کچھ الفاظ زیادہ نظر آتے ہیں، جن کو ابن حبیب نے غالباً اختصار کی خاطر حذف کر دیا ہے، بہر حال یہ تاریخیں حسب ذیل ہیں:-

ابن اسحٰق اور ابن ہشام کا بیان ہے کہ بدر کے بعد مدینے پہنچتے ہی پیغمبرِ اسلام نے بمشکل ایک ہفتے آرام فرمایا ہوگا، کہ بنو سُلیم اور غطفان کے اجتماع کی اطلاع مدینے پہنچی[1] جس کو سُن کر آپؐ فوراً ہی بنو سُلیم کی طرف بڑھے اور "قرقرۃ الکدر" تک جا پہنچے، اس غزوے کی تاریخ اور دن کسی قدیم سیرۃ نگار کے یہاں محفوظ نہیں، مگر ابن حبیب کا بیان ہے:-

"قرقرۃ الکدر کی جانب جمعہ یکم شوال کو کوچ فرمایا"[2]

طبری نے اس سے بھی زیادہ وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے کہ:-

"بعد ازاں قرقرۃ الکدر پر لشکر کشی کی تو آپؐ مدینے سے جمعہ کے دن ارتفاعِ شمس کے بعد یکم شوال کو نکلے"[3]

اسی طرح ابن اسحاق اور ابن ہشام نے "غزوۂ بنی قینقاع" کی کوئی واضح توقیتی صراحت نہیں کی ہے۔ لیکن واقدی اور ابن سعد کے یہاں اس کو نصف شوال ۲ھ کا واقعہ ظاہر کیا گیا ہے[4]۔ بخلاف اس کے ابن حبیب نے اس کی تاریخ سب سے ہٹ کر، صفر ۳ھ بیان کی ہے وہ کہتے ہیں کہ:

"بنی قینقاع کا محاصرہ یکشنبے کے دن، صفر کو کیا"[5]

طبری نے بھی اس غزوے کے سلسلے میں ایک قول صفر ہی کے متعلق نقل کیا ہے: وہ کہتے ہیں کہ۔

"گمان کیا جاتا ہے کہ نبی علیہ السلام نے ان سے ۹ صفر کو جنگ کی"[6]

ابن حبیب نے لفظ "سبع (سات) اور طبری نے "تسع" (نو) استعمال کیا ہے، اس لئے یہ اختلاف بظاہر تجنیس خطی کی وجہ سے ہوا ہوگا، ورنہ جہاں تک ماخذ کا تعلق ہے، وہ غالباً مشترک تھا۔

اس مشترک دستاویز کی سب سے بڑی شہادت سریۂ غالب بن عبداللہ اللیثی ہے جو طبری کے بقول اُسی ۲ھ بلکہ عین اُس زمانے کا واقعہ ہے جب پیغمبرِ اسلام بنو سُلیم پر حملہ آور تھے، اس واقعے کی توقیت نہ تو ابن اسحٰق

---

[1] ابن ہشام ۳/۴۶۔ [2] ابن حبیب / ۱۱۱ [3] طبری ۲/۲۹۸ [4] واقدی / ۱۷۷؛ ابن سعد ۲/۱۹۔
[5] ابن حبیب / ۱۱۲ [6] طبری ۲/۲۹۸۔

اور نہ ابن ہشام نے کی ہے، اور نہ واقدی اور ابن سعد نے، لیکن ابن حبیب لکھتے ہیں کہ:

"نبی (صلعم) نے غالب بن عبداللہ اللیثی کو یکشنبے کے دن ۱۰ ر شوال کو روانہ کیا، تو ان کی بنو سلیم سے مڈبھیڑ ہوئی اور جنگ ہوئی، اور یہ لوگ ہفتے کے دن جبکہ شوال کے ۱۴ دن باقی تھے، مالِ غنیمت کے ساتھ واپس ہوئے۔"[1]

طبری کے یہاں بھی بعینہٖ یہی تاریخی تفصیلات کچھ اضافے کے ساتھ ملتی ہے، وہ لکھتے ہیں کہ:

"اور بعض مورخ بیان کرتے ہیں کہ جب پیغمبرِ اسلام غزوہ کدر سے مدینے واپس آئے، اور آپ نے بلا لڑائی کے دشمن کے مویشیوں اور گلوں کو ہانک لیا تھا، اور آپ کی اس غزوے سے تشریف آوری جیسا کہ گمان کیا جاتا ہے ۱۰ ر شوال کو ہوئی تھی، تو آپ نے غالب بن عبداللہ اللیثی کو یکشنبے کے دن ۱۰ ر شوال کو بنی سلیم کی طرف روانہ کیا، اُن کی جنگ ہوئی اور انھوں نے بنو سلیم کے مویشی پکڑ لئے اور مالِ غنیمت کے ساتھ ہفتے کے دن جبکہ شوال کی ۱۴ ر راتیں باقی تھیں واپس آئے۔"[2]

اس سے بھی یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ ابن حبیب اور طبری کا ماخذ کوئی مشترک دستاویز تھی جو اس وقت ہمارے سامنے نہیں۔

اوپر کی مثالوں سے پتہ چلتا ہے کہ ان غزوات و سرایا کی تاریخی تفصیلات کے ذیل میں ابن حبیب کے سامنے جو دستاویز تھی، وہ کم سے کم طبری کے زمانہ تک متداول رہی، اور قابلِ استناد سمجھی جاتی تھی، اور ہر چند کہ ابن حبیب کی طرح طبری نے بھی اس سند کی کوئی ادنیٰ نشان دہی نہیں کی ہے بلکہ ہر جگہ "وَقَالَ بَعْضُهُمْ" کہہ کر نظر انداز کر دیا ہے، تاہم اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا، کہ یہ دستاویز اتنی اہم ضرور تھی، کہ طبری جیسے محتاط مورخ نے اس کو قابلِ نقل سمجھا۔

اس طرح ہم ابن اسحاق اور واقدی کی دستاویزوں کے علاوہ ایک تیسری ضمنی دستاویز کو روشناس کرتے ہیں۔

یہاں میں اتنی بات واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ اگرچہ ابن حبیب، ابن اسحاق کے مقابلے میں واقدی سے زیادہ قریب العہد تھے، لیکن "محبّر" میں جو تاریخیں ملتی ہیں، وہ زیادہ تر ابن اسحٰق کی تاریخوں کی ایک طرح تفصیل مزید یا تکملہ کہی جا سکتی ہیں، واقدی کی منفرد تاریخوں میں سے ابن حبیب نے کسی ایک تاریخ کو قبول نہیں کیا ہے۔[3]

(باقی)

[1] ابن حبیب/ ۱۱۷ [2] طبری ۲/ ۲۹۹ - [3] یہاں یہ بات بیان کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ابن حبیب کی فہرست غزوات کتابی سہو و اغلاط کی بنا پر جگہ جگہ معہ بن کر رہ گئی ہے، اس کی چند مثالیں اس مقالے میں پیش کی جائیں گی۔